ھنوز دلّی دوراست : ایک تاریخی حقیقت

ڈاکٹر طاہر رضا بخاری

ڈائریکٹر جنرل، مذہبی امور و اوقاف پنجاب

DELHI IS YET FAR AWAY
A STUDY OF A HISTORIC FACT

Tahir Raza Bukhari, PhD
D. G. Religious Affairs/Aauqaf, Punjab, Lahore

Abstract

In the time of Khawja Nizamuddin Aulia both religious and stately conditions were promising and ripe. Therefore Aulia's period is considered as golden era of the subcontinent. Though Khanqah of Nizam was physically located in the Capital city of Delhi but virtually it had nothing to do with the state. Since in Chishti Order of Sufism, state and Tasawwuf are separate entities, any relation or contact with the incumbents are equal to death of spirituality. Indifferent to political forces, Khawja Nizam struggled hard to revive the great spiritual and Khanqahi institution of the subcontinent by laying down its principles.

Keywords: دلی، نظام الدین اولیاءؒ، یحییٰ بن احمد سرہندیؒ، خواجہ غریب نوازؒ، خواجہ قطب الدینؒ
برصغیر، افغان پور، خلیق احمد نظامیؒ، بنگال، سیر الاولیاء

برصغیر کی سیاسی اور معاشرتی تاریخ میں ھنوز دلی دور است کی حیثیت ایک ایسی ضرب المثل کی ہے جو صدیوں سے زبانِ زدِ خاص و عام ہے ۔مؤرخوں نے اس کے گرد پوری پوری داستانیں بناڈالیں ،بالخصوص عہد مغلیہ کے مؤرخین نے اس واقعہ کو بڑی تفصیل سے بیان کیا۔فرشتہ نے لکھا ہے کہ بنگال سے واپسی پر سلطان غیاث الدین تغلق نے سختی سے حکم دیا تھا کہ جب میں دلی پہنچوں تو شیخ (نظام الدین اولیاءؒ) وہاں موجود نہ ہوں ۔حضرت شیخؒ نے جواب دیا تھا کہ ''دلی تو ابھی دور ہے'' اور جب سلطان افغان پور پہنچا تو جو محل (کوشک) اس کے استقبال کے لئے بنائی گئی تھی گر گئی اور وہ نیچے دب کر ہلاک ہوگیا۔(۱)

یحییٰ بن احمد سر ہندی نے اپنی معروف کتاب ''تاریخ مبارک شاہی'' میں یہ روایت یوں نقل کی ہے کہ جس وقت سلطان غیاث الدین تغلق لکھنوتی کی طرف روانہ ہورہا تھا تو شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا تھا: "دھلی از تو دور است" جب سلطان تغلق فتح و نصرت کے ساتھ اپنی مہم سے کامیاب واپس آیا اور افغان پور (دہلی سے تین چار کوس کے فاصلے پر) پہنچا تو اس نے فخریہ انداز میں کہا کہ "بر سینۂ دشمن پائے دادہ بسلامت آمدم" یعنی میں دشمن کے سینے پر پاؤں رکھ کر بخیر و عافیت واپس آ گیا ہوں ۔یہ خبر حضرت شیخؒ کے کانوں تک پہنچی تو آپؒ نے فرمایا: "دھلی از تو دور است "یعنی ابھی دہلی تجھ سے دور ہے''۔(۲)

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے روحانی ارتکاز کے سبب 'دہلی' کو بالخصوص چشتیہ سلسلہ کے مرکز اور صدر مقام کا درجہ حاصل ہوا۔خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکی، معین الحق والدینؒ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے نامور، معتبر اور ممتاز ترین خلیفہ تھے۔انہوں نے تیس برس تک دہلی میں قیام فرمایا، اس قیام میں بادشاہ وقت سے لے کر ایک عام زائر تک آپ کے حلقۂ رشد و ہدایت سے فیض یاب ہوئے ۔یہاں تک کہ جب خواجہ غریب نوازؒ کی آخری مرتبہ دہلی تشریف آوری پر شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ نے خواجہ بختیار کاکیؒ کی عوامی پذیرائی اور بے پناہ مقبولیت پر اپنے کچھ 'تحفظات' کا اظہار کیا تو اس پر خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا: ''تم اطمینان رکھو میں قطب الدین کو اپنے ساتھ اجمیر لے

جاؤں گا''۔ جب دلّی والوں کو یہ معلوم ہوا کہ قطب صاحب اپنے پیر ومرشد کے ساتھ اجمیر کی طرف کوچ کر رہے ہیں تو سارے شہر میں کہرام مچ گیا۔ یہ دونوں بزرگ آگے آگے جا رہے تھے اور ان کے پیچھے شہنشاہِ وقت سلطان شمس الدین التمش اپنی آنکھوں میں آنسو لئے منت سماجت کر رہا تھا اور اس کے ساتھ ساری خلقِ خدا گریہ کناں تھی۔ جب ایسا کہرام دیکھا تو خواجہ غریب نوازؒ نے خواجہ قطب الدینؒ سے فرمایا کہ ''کسی ایک شخص کا دل رکھنے کے لئے خدا کی اتنی مخلوق کا دل توڑنا جائز نہیں ہوسکتا۔ تم دلّی ہی میں رہو''۔(۳) 'سیر الاولیاء' اور 'سیر العارفین' دونوں کے مؤلفین نے بھی اس واقعہ کی تائید میں لکھا ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے لوگوں کی وارفتگی اور محبت کے سبب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو نہ صرف دہلی میں قیام کا حکم فرمایا بلکہ یہ تاریخ ساز ارشاد بھی جاری فرمایا: ''میں نے اس شہر کو تمہاری پناہ میں چھوڑا ہے۔'' (۴)

تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ دہلی کو تاجِ شاہی کی بجائے اس صاحبِ فقر کی مسلسل حفاظت میسر رہی۔ شاہ سے لے کر گدا اور ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک اس دَر کی حاضری کو اپنے لئے سعادت تصور کرتے تھے۔ سلطانِ وقت ہفتے میں ایک بار، بذاتِ خود ان کے آستانہ پر حاضری دیتا۔ حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے سلطانِ وقت شمس الدین التمش کو ایک دفعہ ہدایت فرمائی:

اے والی دہلی! باید کہ با غریباں و فقیراں و درویشاں و مسکیناں نیکوباشی و با خلق نیکوئی کنی و رعیت پرور باشی۔ ہر کہ با رعیت رعایت کند و با خلق نیکوئی کند خدائے تعالیٰ او ر انگاہ دارد و جملہ اعداء او (را) دوست دارند''	اے والی دہلی! تجھے چاہیے کہ غریبوں، فقیروں، مسکینوں کے ساتھ نیکی سے پیش آئے اور خلق (خدا) کے ساتھ نیکی کرے، رعیت پرور ہو۔ جو بھی رعیت کے ساتھ رعایت کرتا ہے اور خلقت کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے دشمن (بھی) اس کو دوست سمجھنے لگتے ہیں۔ (۵)

چشتیہ سلسلے کو دہلی دار الخلافہ میں مضبوط مرکزیت عطا کرنے کے حوالے سے خواجہ قطبؒ کا

دہلی میں تیس سالہ قیام ایک تاریخ ساز حیثیت کا حامل ہے۔ ہندوستان کی سرزمین میں چشتیہ فیوض وبرکات کا جو پودا خواجہ غریب نوازؒ نے اجمیر شریف میں لگایا تھا اس کی آبیاری خواجہ قطبؒ نے دہلی میں خوب فرمائی۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا وصال 14 ربیع الاوّل 633ھ بمطابق 1235ء میں ہوا۔ آپ کے بعد، شیخ کبیر بابا فرید الدین گنج شکرؒ کو آپ کی جانشینی کی سعادت میسر آئی۔ طریقت ومعرفت کا وہ شجرِ سایہ دار جس کی آبیاری خواجہ قطبؒ نے فرمائی، بابا فریدؒ کے عہد میں وہ ایسا چھتنار درخت بن گیا، جس کے سائے میں خلقِ خدا، کیا ہندو کیا مسلمان، دونوں کو راحت میسر آئی۔ آپ کی خانقاہ غریبوں اور دکھی دلوں کی ایسی پناہ گاہ تھی جہاں آدھی رات تک آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ آپ بیک وقت خواجہ قطبؒ اور خواجہ غریب نوازؒ، دونوں کے فیضانِ معرفت وطریقت کے امین تھے۔ خطۂ ہندوپاک میں آپؒ کی ذاتِ بابرکات سے اس سلسلے کو وسعت اور استحکام میسر آیا۔(۶)

بابا فرید الدینؒ نے بھی دہلی میں کچھ عرصہ قیام کیا، 'سیر العارفین' کے مطابق ''جب شہر دہلی میں آپ کی بہت شہرت ہوئی اور مخلوق نے اس صاحبِ کمال کے حال میں مزاحمت کرنی شروع کی تو قطب الملت والدینؒ سے اجازت ورخصت لے کر آپ 'ہانسی' (ضلع حصار، بھارت) چلے آئے اور وہاں سکونت اختیار کر لی۔(۷)

بابا فرید الدینؒ کا وصال 1265ء میں ہوا۔ دہلی کی وہ روحانی سلطنت جس کی بنیاد خواجہ قطب الدینؒ نے اپنے پیر ومرشد خواجہ معین الدین چشتیؒ کے فرمان سے رکھی، اب اس کے عروج کا زمانہ آن پہنچا۔ 'ولایتِ دہلی' کے حوالے سے آب کوثر کی یہ روایت بھی بڑی دلچسپ اور حقیقت کشا ہے:

> ''سلسلہ چشتیہ کی دو بڑی شاخیں ''صابریہ'' اور ''نظامیہ'' ہیں۔ ان دونوں کے مؤسس حضرت بابا صاحبؒ (فرید الدین مسعودؒ) کے مرید مخدوم علاؤ الدین صابرؒ اور حضرت سلطان المشائخؒ تھے۔ ان کے علاوہ آپ کے ایک اور عزیز اور قدیم خلیفہ قطب جمال الدین ہانسویؒ تھے جنہوں نے قیامِ ہانسی کے دوران میں آپ سے بیعت کی تھی۔ ان پر آپ کو اتنا اعتماد تھا کہ کوئی خلافت نامہ ان کی

تصدیق وتوثیق کے بغیر مکمل نہ سمجھا جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے مخدوم علاؤ الدین صابرؒ کی ''ولایتِ دہلی'' کی سند پھاڑ دی۔ جب بابا صاحبؒ کی خدمت میں اس کی شکایت کی گئی تو انہوں نے کہا کہ جمال کا پھاڑا ہوا فرید نہیں سی سکتا۔ چنانچہ انہیں دہلی کی بجائے کلیر کا علاقہ مرحمت ہوا۔''(۸)

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سال 659ھ میں سندِ خلافت حاصل کرنے کے بعد اس کی توثیق کے لئے، حسبِ روایت قطب الدین ہانسویؒ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے بڑی خوشی سے خلافت نامہ کی توثیق کی اور زبانِ مبارک سے یہ شعر پڑھا:

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس   کہ گوہر سپردا بگوہر شناس

سندِ خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ دہلی تشریف لے گئے۔(۹)

سیر الاولیاء نے سلطان المشائخ کے حوالے سے یہ واقعہ یوں درج کیا ہے: جس روز شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر نے مجھے خلافت سے سرفراز فرمایا، تو آپ نے میری طرف رخ کر کے فرمایا ''خدائے تعالیٰ تجھ کو نیک بخت کرے، تجھ کو نفع دینے والے علم اور عملِ مقبول سے سرفراز کرے۔ پھر فرمایا کہ تم ایسے درخت ہو گے جس کے سائے میں خدا کی مخلوق آرام پائے گی۔ پھر فرمایا کہ تمہیں مجاہدے کرنے چاہئیں تا کہ تم میں استعداد پیدا ہو۔'' سلطان المشائخ فرماتے ہیں جب میں دہلی واپس ہو رہا تھا اور ہانسی پہنچا تو آپ کے حسبِ ارشاد شیخ جمال الدین ہانسویؒ کو خلافت نامہ دکھایا جسے دیکھ کر وہ، بہت خوش ہوئے اور نہایت لطف وشفقت سے پیش آئے اور یہ شعر پڑھا:

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس   کہ گوہر سپردا بگوہر شناس(۱۰)

ڈاکٹر ظہور الحسن شارب کی یہ روایت جو اگرچہ کسی قدیم تذکرے میں ان الفاظ کے ساتھ موجود نہیں تاہم اس کا تذکرہ موزوں ہے۔ اس کے مطابق: بوقتِ خلافت حضرت محبوبِ الٰہیؒ سے مخاطب ہو کر بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے فرمایا: ''اے نظام الدین! میں چاہتا تھا کہ ''ولایتِ ہندوستان'' کسی اور کو دوں مگر تم راستے میں تھے کہ مجھ کو غیب سے ندا پہنچی کہ ابھی ٹھہرے رہو، نظام بدایونی آتے ہیں اور وہی اس ولایت کے لائق ہیں، انہیں کو دینا چاہیے''۔(۱۱)

حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کی بدولت فیضان حکمت و طریقت ہندوستان کے ایک ایک گوشے میں پہنچ گیا۔ آپ کی خانقاہ معلّی فی الحقیقت ظلمت و گناہ کی تاریک رات میں نوید سحر اور غموں اور دکھوں سے اٹی ہوئی انسانیت کے لئے پیغام شفا تھی۔ ممتاز مؤرخ ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں کہ خلقت کا اس قدر ہجوم اور آپ کی مقبولیت کا یہ عالم کہ خاص و عام، مفلس و امیر، عالم و جاہل، شریف و رذیل، شہری اور دیہاتی، آزاد اور غلام سب ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور ان کے حلقۂ مریدین میں شامل ہونا اپنے لئے سعادت کا باعث سمجھتے تھے۔

برنی نے بڑی تفصیل سے اس سڑک کا بھی حال لکھا ہے جو شہر سے غیاث پور جاتی تھی اور جہاں خانقاہ نظامیہ میں آنے جانے والوں کی ایک بھیڑ لگی رہتی تھی۔ ہزاروں فرسنگ سے عقیدت مند ان کی خدمت میں آتے تھے اور ان کی آستاں بوسی کو دین و دنیا کی دولت سمجھتے تھے۔ ان کی نظر میں ایسی تاثیر تھی بقول شاہ عبدالعزیز دہلویؒ :

چوں آدم داخل غیاث پور می شد، حالتش دگرگوں می شده۔

جوں ہی آدمی غیاث پور میں داخل ہوتا تھا، اس کی حالت دگرگوں ہوجاتی تھی۔ (۱۲)

شیخ محمد اکرام آب کوثر میں رقم طراز ہیں:

''معاصرانہ تاریخوں سے بخوبی نظر آتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخؒ کی خانقاہ دربار شاہی کے مقابلے میں دوسری بارگاہ تھی جہاں عوام و امراء کسی خوف حکومت سے نہیں' بلکہ ارادت و عقیدت کے جذبات سے متاثر ہو کر سر جھکاتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ کا اتنا اثر تھا کہ سلطان علاؤ الدین خلجی جیسے جابر بادشاہ ان سے خم کھاتے تھے اور ان کی خواہشات کا پاس کرتے تھے۔ بعض بادشاہ اور شہزادے تو ان کے عقیدت مند مرید تھے۔'' (۱۳)

ایسی والا شان، مذہبی اور دینی پس منظر کی حامل' پرشکوہ روحانی خانقاہ کسی بھی دنیاوی حکمران کے لئے باعث تشویش ہوسکتی ہے کہ یہ حکمرانوں کے خناس نفس کی قدیم روایت اور پرانی نفسیات

ہے۔خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی درگاہ عملاً ایک روحانی سطوت کا عملی اظہار تھی' جس میں ایک مضبوط مرکز، مادی وسائل کی عدم دستیابی کے باوجود وسیع دائرہ اثر اور دیار و امصار کے دینی و روحانی معاملات سے ربط کا بھی ایک مؤثر نظام موجود تھا۔اقتدار کی طاقت اور قوت کا اثر تو صرف انسانی جسم پر غلبہ و تسلط کا حامل ہوتا ہے جبکہ دین و فقر کی حکمرانی انسان کے ان بنیادی جذبات پر ہے جہاں اس کی فکر و نظر کے زاویے اور شخصیت ڈھلتی ہے۔اسی سبب دہلی کے مطلق العنان حکمرانوں کا اس روحانی نظام کو اپنے لئے خطرہ سمجھنا ایک عام سی بات تھی۔چشتی بزرگ، سلاطین و امرا کے ہاں جانے اور ان سے ربط و تعلق کے سلسلے میں ہمیشہ احتیاط و اجتناب کے قائل رہے ہیں۔بابا فرید الدینؒ نے حکمرانوں سے دور رہنے کی حکمتِ عملی اختیار کی اور ریاستی معاملات سے کوئی سروکار نہ رکھا نیز اپنے مریدوں کو بھی اسی کی تلقین کی۔(۱۴) حضرت نظام الدینؒ کا معاملہ بھی ایسے ہی رہا۔تاہم بعد کے دور میں کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے جنہوں نے چشتیہ مشائخ اور حکمرانوں کے درمیان نزع بلکہ تضاد کو زیادہ واضح کر دیا۔جس کا سبب ان مشائخ کا دینی رسوخ اور عوامی پذیرائی اور محبت و عقیدت تھی۔سلطان علاؤ الدین خلجی کو اس کے کسی مصاحب نے یہ بات باور کرائی:

سلطان المشائخ مقتدائے عالم شدہ است و ہیچ حلقے از خلق نیست کہ خاک او را در تاج سرنمی دارد ---زبرا چہ خلل ملک آید "۔

سلطان المشائخ مقتدائے عالم ہو رہے ہیں اور کوئی شخص ایسا نہیں جو ان کے در کی خاک کو اپنے سر کا تاج نہ بناتا ہو۔کہیں ایسا نہ ہو کہ اُن کے سبب سے سلطنت میں خلل آ جائے۔(۱۵)

یہ علاؤ الدین کے عہدِ حکومت کا ابتدائی زمانہ تھا۔حاسدوں کی اس بات سے اس کے دل میں یہ شبہ ضرور پیدا ہو گیا لیکن شیخ" کے متعلق اس کی جو ذاتی رائے تھی اس کے پیش نظر کوئی نامناسب قدم اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔اس نے شیخ" کے خیالات کا اندازہ لگانے کے لئے ایک خط خضر خان کے ذریعے ان کی خدمت میں بھیجا۔اس خط میں لکھا تھا کہ چونکہ آپ مخدومِ عالم ہیں اس لئے مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کارِ مملکت میں آپ سے مشورہ لوں اور آپ جس چیز میں سلطنت کی بھلائی، بہبودی

اور اس بندہ کی خلاصی اور رہائی دیکھیں اس کا حکم فرمائیں ۔سلطان کا خیال یہ تھا کہ اس طرح شیخ کی سیاسی خواہشات کا پورا اندازہ ہو جائے گا۔خضر خان جب یہ خط لے کر شیخ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے بے پڑھے واپس کر دیا اور فرمایا۔

درویشاں را بہ کار بادشاہاں چہ کار۔ من درویشم، از شہر گوشہ گرفتہ ام و بہ دعا گوئی بادشاہ و مسلمانانِ مشغولم ۔ اگر بسبب ایں معنی بادشاہ بعد ازیں چیزے مرا بگوید من ازینجا ہم بروم ۔ "ارض اللہ واسعۃ"

درویشوں کو شاہی امور سے کیا واسطہ؟ میں درویش ہوں ،شہر سے علیحدہ گوشہ میں زندگی بسر کرتا ہوں ۔بادشاہ اور مسلمانوں کی دعا گوئی میں مشغول ہوں ۔اگر بادشاہ اس بارے میں پھر مجھ سے کچھ کہے گا تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔" اللہ کی زمین وسیع ہے"۔(۱۶)

علاؤ الدین یہ جواب سن کر بے حد خوش ہوا اور کہنے لگا کہ میں تو پہلے ہی سے جانتا تھا کہ اس طرح کی باتوں کا سلطان المشائخؒ سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہو سکتا۔البتہ دشمنوں نے یہ چاہا تھا کہ مجھے اللہ کے ایسے خاص بندوں سے لڑا دیں اور اس طرح ملک تباہ ہو جائے ۔پھر علاؤ الدین نے شیخ کے پاس معذرت کے لئے آدمی بھیجا اور کہا:

من از معتقدان مخدومم جرأتے کردہ ام بخشیدہ باشند و اجازت کنند تا من بیایم و سعادت پائبوس حاصل کنم۔

میں خدمتِ مخدوم میں جرأتِ بے جا کا مرتکب ہوا ہوں۔آنجناب میری اس جرأت کو معاف کر دیں اور اجازت دیں کہ میں حاضر ہو کر سعادتِ قدم بوسی حاصل کروں۔

اس درخواست کے جواب میں شیخ نے یہ کہلا بھیجا کہ "میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں ۔ میں غائبانہ دعا کرتا ہوں اور غیبت میں دعا کرنے کا اثر کہیں زیادہ ہوا کرتا ہے"۔سلطان اس کے بعد بھی ملاقات پر مصر ہوا تو شیخؒ نے کہلا بھیجا:

" خانۂ ایں ضعیف دو در دارد ،	میرے گھر کے دو دروازے ہیں ۔ اگر بادشاہ
اگر از یك در در آید ، من از در	ایک سے اندر داخل ہوگا تو میں دوسرے سے
دیگر بیروں روم "	باہر چلا جاؤں گا۔(۱۷)

واقعہ افغان پور

سلطان قطب الدین مبارک خلجی کے بعد ،سلطان ناصر الدین خسر وخان کچھ عرصہ کے لئے تخت نشیں ہوا۔ اس کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق تخت دہلی پر متمکن ہوا۔ سلطان غیاث الدین تغلق ایک قابل منتظم اور انصاف پسند بادشاہ ہونے کے علاوہ ایک متدین مسلمان تھا۔ وہ خود بھی ارکان شریعت کا پابند تھا اور خلجیوں کے زمانے میں جو مذہبی بدعنوانیاں شروع ہوگئی تھیں ان کی اُس نے اور اس کے جانشینوں نے اصلاح کی ۔لیکن افسوس کہ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین دہلویؒ سے اس کے تعلقات شروع ہی سے کشیدہ ہوگئے ۔(۱۸)

خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں: تعجب کی بات ہے کہ سلطان غیاث الدین جس کی 'پاکیٔ نفس' دین داری ، اور 'میانہ روی' کی مؤرخین نے اس قدر تعریف کی ہے، وہ اپنے عہد کے سب سے زیادہ مشہور بزرگ شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے اچھے تعلقات نہ رکھ سکا۔ کشیدگی تعلقات کے یہ اسباب بیان کئے جاتے ہیں:

۱) خسر وخاں نے علما ومشائخ کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے ان کی خدمت میں گراں قدر نذرانے پیش کئے ۔سیر العارفین کے مؤلف جمالی کا بیان ہے کہ یہ نذرانے دو دو تین تین لاکھ تنکے پر مشتمل تھے ۔دہلی کے بیشتر مشائخ نے یہ رقمیں قبول کرلیں ۔صرف تین درویش ایسے تھے جنہوں نے اس رقم کو ہاتھ لگانے سے انکار کردیا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ دہلی کے سب سے زیادہ مقتدر اور مرتاض بزرگ تھے ۔ان کی خدمت میں پانچ لاکھ تنکے پیش کئے گئے ۔انہوں نے قبول کر لئے اور فوراً فقرا اور مساکین میں تقسیم کرادیے ۔دہلی کے بعض مشائخ نے اس رقم کو خرچ نہیں کیا بلکہ امانت کے طور پر رکھ لیا۔ جب غیاث الدین تغلق تخت پر آیا تو اسے معلوم ہوا کہ دہلی کا خزانہ داد و دہش میں لٹایا جا چکا ہے۔

چنانچہ اس نے حکم دیا کہ روپیہ واپس لیا جائے ۔ جب شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا:

''ایں بیت المال بود باہل استحقاق	یہ بیت المال کا روپیہ تھا۔جن لوگوں کا حق تھا
رسیدہ من ازاں مبلغ درمے ودینارے	اُن کو پہنچ گیا۔میں اس رقم میں سے کوئی درہم
بحق خود خرچ نکردہ ام''	یا دینار اپنے خرچ میں نہیں لایا۔(۱۹)

جمالی نے لکھا ہے کہ سلطان یہ جواب سن کر خاموش تو ہوگیا لیکن اس کے دل میں شیخؒ کی طرف سے بغض پیدا ہوگیا۔(۴۰)

۲) قرونِ وسطیٰ میں سماع علما اور صوفیا کے درمیان زبردست اختلافی مسئلہ تھا۔غیاث الدین تغلق پر چونکہ علما وفقہا کا اثر تھا، اس لئے انہوں نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے خلاف شرعی شکایت کے نام پر محضر طلب کرنے پر اُسے آمادہ کرلیا۔

اس محضر میں دہلی کے بیشتر علما واکابر کو مدعو کیا گیا تھا۔شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے حلقہ مریدین میں کو بہت سے جید عالم اور ماہرینِ فقہ شامل تھے لیکن انہوں نے کسی کو اپنے ساتھ محضر میں لے جانا پسند نہیں کیا۔قاضی محی الدین کاشانیؒ اور مولانا فخر الدین زرادیؒ، شیخ کی بغیر اجازت محضر میں شریک ہو گئے تھے۔بحث شروع ہونے سے قبل قاضی جلال الدین نائب حاکم نے شیخ کو دھمکایا کہ اگر انہوں نے آئندہ سماع کی محفل منعقد کی تو اُن کو سزا دی جائے گی ۔ یہ گفتگو شیخ کو ناگوار گزری۔پھر شیخ زادہ حسام الدین نے سماع کی مخالفت میں پُر جوش تقریر کی، شیخ نے ان کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: زیادہ جوش وخروش مت کرو۔پہلے یہ تو بتاؤ کہ سماع کے معنے کیا ہیں؟ شیخ زادہ جب معنی بتانے سے قاصر رہے تو شیخ نے اُن سے اس مسئلہ پر گفتگو کرنے سے انکار کردیا۔اسی اثنا میں مولانا علم الدین،نبیرہ شیخ بہاؤ الدین ذکریا ملتانیؒ تشریف لے آئے اور انہوں نے سلطان کی فرمائش پر اپنے خیالات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ " اہل حال کے لئے سماع حلال ہے اور انہوں نے اس مسئلہ پر اپنے ایک رسالہ مسئلہ متصدہ میں بحث کی ہے ۔انہوں نے یہ بھی بتایا کہ بغداد، شام اور روم میں مشائخ کو سماع سے کوئی منع نہیں کرتا"۔(۴۱)

صاحب سیر الاولیاء نے، ضیاء الدین برنی کے حوالے سے لکھا ہے: "جب سلطان المشائخ مناظرہ سے فارغ ہوکر مکان پر تشریف لائے تو ظہر کی نماز کے وقت مجھے اور مولانا محی الدین کاشانی اور امیر خسرو شاعر کو طلب کیا۔ ہم لوگوں کو جب سعادت قدم بوسی حاصل ہوئی تو فرمایا: دہلی کے علماء میری دشمنی اور عداوت سے پُر تھے۔ انہوں نے میدان فراخ پایا اور عداوت سے بھری ہوئی بہت سی باتیں کہنی شروع کیں اور ایک نہایت تعجب اور حیرت کی بات آج یہ دیکھی گئی کہ محل حجت اور بحث کے دوران انہوں نے جناب نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیثیں سننے سے صاف انکار کردیا۔ اور وہ لوگ بڑی جرأت اور بیبا کی سے کہتے تھے کہ ہمارے شہر میں روایت فقہ، حدیث پر مقدم ہے...... اور کہتے تھے کہ یہ حدیث شافعی کی متمسک ہے اور وہ ہمارے علماء کا دشمن ہے، ہم ایسی حدیثیں ہر گز نہیں سنتے۔ میں نے ایسے کسی عالم کو دیکھا یا سنا نہیں کہ اس کے سامنے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی صحیح حدیثیں روایت کی جائیں اور کھلم کھلا کہے کہ میں نہیں سنتا، اور نہیں جانتا۔ یہ کیسا زمانہ ہے! تعجب ہے کہ جس شہر میں اس درجہ مکابرہ کیا جائے اور اس درجہ عناد وحسد برتا جائے اور پھر آباد و معمور رہے۔ یہ شہر تو اس قابل ہے کہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے اور بالکل تباہ وبرباد کرڈالا جائے۔ جب بادشاہ اور امراء اور خلق، شہر کے قاضی اور نامور علماء سے یہ سنیں کہ اس شہر میں حدیث پر عمل نہیں ہے تو اُن کا اعتقاد احادیث پیغمبر ﷺ پر کیونکر راسخ وثابت ہوسکتا ہے۔" (۴۲)

برنی کی اس روایت سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ اس محضر سے سخت دل برداشتہ اور کبیدہ خاطر واپس آئے تھے۔ اس کے باوجود خلیق نظامی سمیت چند تذکرہ نگار اس بات پر مصر ہیں کہ شیخؒ، سلطان سے "ناخوش" نہ تھے۔ خلیق نظامی لکھتے ہیں: "اس محضر کے حوالے سے، وہ علماء دہلی کی طرف سے سخت شاکی تھے، لیکن برنی یا میر خورد کسی کے بیان سے یہ شبہ نہیں ہوتا کہ وہ سلطان غیاث الدین کے طرز عمل سے بھی کسی طرح "ناخوش" تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی معاصر مؤرخ یا تذکرہ نویس نے یہ نہیں لکھا کہ شیخ اور سلطان غیاث الدین تغلق کے درمیان تعلقات میں کسی طرح کی کشیدگی پیدا ہوگئی تھی"۔ (۴۳)

یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محضر میں "سرکاری اور درباری علما" کے جس نامناسب رویئے سے شیخ "سخت شاکی ہوئے' کو۔۔۔سلطان اور درباری کی آشیرباد حاصل نہ تھی؟ محضر طلبی "دربار وسرکار میں حاضر آوے" کا اقدام تھا جس سے غیاث الدین کیسے بری الذمہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ایک شرعی مسئلہ کی آڑ میں شیخ " کو دربار آنے پر مجبور کیا گیا جس کے پس پردہ عزائم میں روحانی سلاسل اور بالخصوص "نظامی خانقاہ" کے رسوخ کو متأثر کرنا اور حکومت کے زیر اثر لانا تھا۔اس حوالے سے مولانا فخر الدین زرادی" کا یہ بیان بھی قابلِ توجہ ہے کہ: "مجھے ڈر یہ ہے کہ مناظرے کا محض بہانہ ہے،بادشاہ حضرت" کو دہلی سے ہٹانا یا کوئی اور آزار پہنچانا چاہتا ہے"۔(۲۴)

تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ ایسی کوششیں سابقہ سلاطین کے ادوار میں بھی ہوتی رہیں ہیں۔ آبِ کوثر کے مطابق: صوفیاء بالخصوص حضرت سلطان المشائخ " کا اثر اس قدر زیادہ تھا اور خاص وعام کے دلوں پر ان کی اس طرح حکومت تھی کہ بہت سے بادشاہوں کو اس کا ملال ہوتا تھا۔اور بعضوں نے یہ اثر توڑنے کی کوشش کی جیسا کہ علاؤ الدین خلجی کے بیٹے قطب الدین مبارک شاہ نے ملتان سے شیخ رکن الدین" کو بلایا تاکہ حضرت سلطان المشائخ " کی خانقاہ کے بالمقابل ایک اور بزرگ کی بارگاہ قائم ہو اور ان کا اپنا زور کم ہو۔صوفیا کا اثر کم کرنے اور انہیں علانیہ "حکومتِ ظاہری" کے تابع لانے کے لئے سلطان محمد تغلق نے بھی اپنے دور میں کئی اقدامات کئے تھے۔(۲۵)

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ حضرت سلطان المشائخ " ایک ایسے روحانی اور خانقاہی نظام کے امین تھے جس کی داغ بیل حضرت خواجہ اجمیری " نے ڈالی' خواجہ قطب" نے جس کو منظم کیا،بابا فرید" " نے استحکام اور وسعت عطا کی اور آپ" نے اسے اوجِ کمال تک پہنچایا۔یہ عظیم سلسلہ ایک مضبوط مرکز کے تحت قائم ہوا تھا،اور اس کی ترویج باقاعدہ اصولوں کے مطابق عمل میں آئی۔جن میں اہم ترین درج ذیل ہیں:

- حکومتِ وقت سے تعلق رکھنا روحانی موت کے مترادف ہے۔
- سیاسی معاملات میں قطعاً دخل نہیں دیں گے،اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہ وہ اپنی خانقاہوں کا

پُرسکون ماحول شاہانِ وقت کوخراب نہ کرنے دیں گے۔ چنانچہ نظام الدین اولیاءؒ کی خانقاہ دہلی کے اندر ہوتے ہوئے بھی سلطنتِ دہلی کا حصہ نہ تھی۔ (۲۶)

آپ ہی وہ ہستی ہیں جن کی خدمت میں جلال الدین خلجی نے متعدد بار حاضری کی اجازت چاہی لیکن آپؒ نے ہر بار ملنے سے انکار کیا۔ یہاں تک کہ بلا اطلاع حاضری کا منصوبہ بنایا لیکن شیخ کی عدمِ اجازت کے سبب یہ سعادت حاصل کرنے سے محروم رہا۔(۲۷)

جب سلطان قطب الدین مبارک شاہ نے انہیں پیغام بھیجا کہ آپ ہماری ولایت میں رہتے ہوئے مجھ سے کبھی نہیں ملے۔ ضروری ہے کہ آپ اسی ہفتے میرے یہاں آئیں اور مجھ سے ملاقات کریں۔ شیخؒ نے اس کے جواب میں یہ فرمایا کہ میں گوشہ نشیں ہوں، کہیں نہیں جاتا اور میرے پیروں کی بھی یہ رسم اور عادت نہ تھی کہ وہ وزیر اور بادشاہوں کے مصاحب بنیں۔ سلطان آپ کو دربار بلوانے پر بضد رہا اور یہ بات تحریر کروائی کہ روایت کے مطابق ہر چاند رات کو سلطان کے دربار میں حاضر ہوں۔ حضرت شیخؒ اپنے مؤقف پر قائم رہے اور اس موقع پر بھی یہی جواب دیا: ''میں اپنے پیروں کے طریقے کے خلاف ہرگز نہیں کروں گا اور بادشاہ سے ملنے دربار نہیں جاؤں گا۔'' مریدین کی فکر مندی پر آپ نے یہ بھی فرما دیا تھا: ''تم یقین رکھو سلطان قطب الدین کسی طرح مجھ پر فتح یاب نہ ہوگا۔'' (۲۸)

ایسی عظیم المرتبت اور جلیل القدر ہستی جو اپنے در پر بادشاہِ وقت کو حاضری کی اجازت دینے سے گریزاں ہو۔ جس کو اس کے پیر و مرشد نے خلعت خلافت عطا فرماتے ہوئے ''نظام الدین والدنیا'' کے خطاب سے نوازا ہو اور بقول امیر خسرو:

در حجرۂ فقر بادشاہے در عالمِ دل جہاں پناہے
شہنشہ بے سریر و بے تاج شاہانش بخاکپائے محتاج

جس کا عہد فقر اور درویشی کی نئی ترجمانی کا دور ہو اور جہاں دنیا کے ظاہری نظام کے ساتھ 'باطنی نظام' جو قطبوں، ابدالوں اور اوتادوں کے رہین منت ہے، رسوخ پا رہا ہو۔ جہاں حضرت سلطان المشائخ کا یہ فرمانِ ذیشان عام ہو: ''جب ولی مقامِ قطبیت اور غوثیت و فردیت کو طے کر کے "مرتبہ

محبوبیت" کو پہنچتا ہے تو اس کی ذات " مظہر الٰہی " ہو جاتی ہے ۔ اور اس کا ارادہ بھی " ارادۃ اللہ " ہو جاتا ہے ۔ (۲۹)

ایسے جلیل القدر شیخ کو اپنی خانقاہ کے اصولوں اور بزرگوں کے مشرب کے برعکس شاہی دربار میں جانا پڑا ۔ برنی کے مطابق: محضر سے واپسی پر وہ " کبیدۂ خاطر " تھے ۔ ایسا درویش جو " محبوب الٰہی " کے لقب سے معروف ہو اس کی " کبیدگیٔ خاطر " کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟ جبکہ اولیا اللہ خدا کے محبوب ہیں ۔ جو " محبوب الٰہی " ہوں ان کی محبت خدا کی محبت ہے اور ان سے بغض اور عداوت خدا سے بغض اور عداوت کی علامت قرار پاتا ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، بلکہ حدیث قدسی ہے:

ترجمہ: ''جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی، میں نے اس سے اعلان جنگ کیا۔'' (۳۰)

حدیث قدسی کے مطابق اولیاء اللہ کے اس مقام و مرتبہ کا انکار بھی ممکن نہیں ۔

مَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحْبَبْتُہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ
فَکُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَ بَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَ یَدَہُ
الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَ رِجْلَہُ الَّذِیْ یَمْشِیْ بِھَا لَاِنْ سَئَلَنِیْ
لَاُعْطِیَنَّہٗ ۔ (۳۱)

یعنی جب برابر میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے تو میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں..... تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کا پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے ۔ اگر مجھ سے سوال کرتا ہے تو ضرور اس کو دیتا ہوں ۔

ایک اور حدیث مبارک کے مطابق:

''بہت سے الجھے اور پریشان زلف، گرد و غبار میں اٹے ہوئے دروازوں سے
(بظاہر بدحالی کی وجہ سے) ہٹائے ہوئے (ایسے بھی اللہ کے نیک بندے) ہیں
کہ اگر اللہ پر کسی کام کے لئے قسم کھالیں تو اللہ اس کو ضرور پورا کرتا ہے ۔'' (۳۲)

اس سارے تناظر میں اب واقعۂ افغان پور کو معتبر تاریخی حوالوں سے دیکھیں تو "ہنوز دلی دور است" کا فرمان، واقعتاً ایک تاریخی حقیقت کے طور پر نظر آئے گا۔

راج کمار ہردیو ۶۹۷ھ میں دہلی آیا، مسلمان ہونے کے بعد احمد ایاز کے نام سے مشہور ہوا اور حضرت سلطان المشائخ ؒ کے وصال ۷۲۵ ہجری تک تقریباً اٹھائیس سال حضرت ؒ کی خدمت میں حاضر رہا، فارسی کتاب 'چہل روزہ' جس کا خواجہ حسن نظامی نے، سیر الاولیا، تاریخ فرشتہ، تاریخ فیروز شاہی اور حضرت امیر خسرو کے جمع کردہ ملفوظات پیش نظر رکھ کر اردو ترجمہ 'نظامی بنسری، چشتی اولیاء نامہ' کے عنوان سے کیا ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل یوں ہے:

آج میں سلطان غیاث الدین تغلق کے ولی عہد ملک جونا الغ خاں کے دربار میں حاضر ہوا تو اس نے حکم دیا کہ تغلق آباد کا جو نیا قلعہ اور شہر بن رہا ہے اس کا کام تمہارے سپرد کیا جاتا ہے اور تم کو شاہی عمارات کا "شحنۂ عمارت" بنایا جاتا ہے۔ میں نے ولی عہد کے سامنے تعظیم ادا کی۔ اس نے میرا نام پوچھا۔ میں نے کہا میرا نام ہردیو تھا مگر حضرت ؒ نے مجھے احمد ایاز نام عطا فرمایا ہے۔ ولی عہد نے کہا: تو مسلمان ہو گیا ہے؟ میں نے جواب دیا 'خدا کا شکر ہے جس نے مجھے، میرے خواجہ ؒ کی برکت سے اسلام کا شرف عطا فرمایا ہے۔ ولی عہد نے کہا: اس کو سونے کے کنگن پہناؤ اور آئندہ اس کو "احمد ایاز جہاں" کہا کرو۔ کچھ دیر کے بعد میں ولی عہد سے رخصت ہو کر باہر آیا اور اس کے آدمیوں نے مجھے قلعے اور شہر کی تعمیرات کا کام سمجھایا جس میں دن بھر مصروف رہتا تھا اور شام کو اپنے باپ کے پاس واپس آ جاتا تھا اور کبھی کبھی حضرت ؒ کی مجلس میں بھی حاضری دیتا تھا۔

باؤلی بنانے کا حکم

ایک روز حضرت ؒ نے قاضی سید محی الدین کاشانی ؒ سے فرمایا جو حضرت ؒ کے مقبول خلفا سے تھے اور میں روزانہ ان کو حضرت ؒ کی مجلس میں دیکھا کرتا تھا: "تم اور سید حسین کرمانی چبوترہ یاراں کے قریب ایک باؤلی (بڑا پکا کنواں) بنانے کا انتظام کرو۔" قاضی صاحب نے زمین بوسی کے بعد عرض کی کہ احمد ایاز شاہی میر عمارت بن گیا ہے اگر اس کو بھی اس کام میں شریک کر دیا جائے تو مناسب ہوگا۔

حضرتؒ نے فرمایا: احمد ایاز پر شہر اور قلعہ بنوانے کا بہت بڑا بوجھ ہے تم ہر قسم کی عقل رکھتے ہو اس لئے تم دونوں ہی یہ کام کرو۔

یہ جواب سن کر میں کھڑا ہوا اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو میں شام کے وقت جب نوکری سے واپس آؤں تو باؤلی کا کام دیکھ لیا کروں۔ ارشاد ہوا: نہیں، جو آنکھ اور عقل دنیا نے خرید لی ہے وہ ہم درویشوں کا کام نہیں کر سکتی۔ یہ سن کر میں نے دوڑ کر حضرتؒ کے قدموں میں سر رکھ دیا اور رو کر عرض کی کہ میں نے مخدومؒ کی اجازت سے شاہی نوکری قبول کی ہے۔ اگر مخدومؒ اس سے خوش نہیں ہیں تو میں آج ہی نوکری چھوڑ دوں گا۔ فرمایا: نہیں ہم تیری نوکری سے خوش ہیں مگر حکمِ خدا یہی ہے کہ اب تو اہلِ دنیا کے کام کرے گا مگر تیرا دل ہم سے جدا نہ ہوگا۔

اس کے بعد حضرتؒ نے فرمایا: قاضی صاحب تم نصیر الدین محمود کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لو۔ پھر کچھ دیر تامل کے بعد ارشاد ہوا کہ رفیع الدین ہارون اور سید محمد کو بھی اپنے ساتھ لے لو۔ یہ پانچ آدمی باؤلی کھدوانے اور بنوانے کا انتظام کریں۔

تغلق کا خط

میں رات دن تعمیرات کے کام میں مصروف رہتا تھا۔ بادشاہ کے محل میں دیواروں پر سونے کے پترے چڑھائے گئے تھے۔ جب سورج نکلتا تھا تو وہ دیوار خوب چمکتی تھی۔ رات کو جب گھر میں آتا تو بہت تھک جاتا تھا پھر بھی اپنے پرانے میزبان خواجہ سید محمد امام سے ضرور مل لیتا اور کبھی کبھی وہ بھی میرے پاس آ جاتے تھے۔ ایک رات انہوں نے مجھ سے کہا کہ آج بنگالے (مغربی بنگال) سے سلطان کا خط، حضرتؒ کے نام ایک قاصد لایا ہے جس میں گستاخانہ انداز سے لکھا ہے "حضرتؒ میری واپسی سے پہلے دہلی چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں، میں نہیں چاہتا کہ دہلی میں آنے کے بعد ایک ایسے شخص کو وہاں دیکھوں جو انسان ہے اور انسانوں سے اپنے سامنے سجدے کراتا ہے اور جو حنفی ہے اور امام ابو حنیفہؒ کی فقہ کے خلاف گانا سنتا ہے اور گانے بجانے کی مجلسیں کھلم کھلا کرتا ہے۔"

جب یہ خط حضرتؒ کو میں نے سنایا تو حضرتؒ نے مجھے حکم دیا کہ اس خط کی پیشانی پر لکھ دو:

"هنوز دلی دور است " (ابھی دہلی دور ہے)اور خط قاصد کو واپس دے دو کہ وہ بادشاہ کے پاس بنگالے پہنچا دے۔

جب میں نے خواجہ سید محمد سے یہ بات سنی تو بڑا خوفزدہ ہوا اور میں دیر تک سوچ میں گم رہا۔ خواجہ سید محمد نے پوچھا: تم کیا سوچ رہے ہو؟ یہ تو ایک معمولی بات ہے۔ سب جانتے ہیں کہ بادشاہ حضرتؒ کے خلاف ہے اور اس کو سلطان قطب الدین سے سلطنت دہلی ملی ہے اور قطب الدین خلجی حضرتؒ کے خلاف تھا اس واسطے وہ بھی حضرتؒ کی مخالفت کو اپنی مضبوطی کے لئے ضروری سمجھتا ہے۔

میں نے کہا: جی نہیں میں اور بات سوچ رہا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک خط ولی عہد کے پاس بھی آیا ہے جس میں لکھا ہے کہ مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ "تم درویشانہ لباس میں شیخ نظام الدین بدایونیؒ کی مجلس میں گئے اور شیخؒ نے تم کو ہندوستان کا بادشاہ ہونے کی دعا دی۔ اور تم نے شیخؒ کے ایک ہندو مرید کو 'میر عمارت' کا عہدہ دیا ہے، اس سے تمہاری بدخواہی ظاہر ہوتی ہے۔ آئندہ احتیاط سے کام لو ورنہ تم ولی عہدی سے محروم کر دیئے جاؤ گے۔" اس خط کی اطلاع مجھے حسن ایرانی نے دی تھی اور وہ کہتا تھا کہ ولی عہد بادشاہ کے اس خط سے ڈر گیا ہے اور عجب نہیں کہ تم اب میر عمارت نہ رہو اور نوکری سے الگ کر دیئے جاؤ۔ پس میں یہ سوچ رہا تھا کہ حضرتؒ کے نام جو خط آیا ہے وہ بھی اسی بناپر ہے کہ ولی عہد حضرتؒ کے پاس آیا تھا اور حضرتؒ نے یہ فرمایا تھا کہ "ایک بادشاہ آتا ہے اور ایک بادشاہ جاتا ہے" اگر ولی عہد نے مجھے نوکری سے الگ کر دیا تب بھی مجھے اور میرے ماں باپ کو حضرتؒ کا لنگر کافی ہے۔

بادشاہ کا دوسرا حکم

کچھ عرصے کے بعد بادشاہ کا دوسرا حکم ولی عہد کے نام آیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ شیخ نظام الدین بدایونیؒ ایک باؤلی بنوا رہے ہیں اور اس کام میں شاہی شہر اور قلعے کی تعمیر کے معمار بھی شیخؒ کے مرید میر عمارت کی وجہ سے وہاں کام کرتے ہیں اور دن بھر شاہی شہر کا کام کرنے کے بعد رات کو باؤلی کا کام کرتے ہیں۔ اس واسطے تم سب معماروں اور مزدوروں کو حکم دے دو کہ کوئی شخص شیخؒ کی باؤلی کا کام کرنے نہ جائے۔

ولی عہد نے مجھے بلا کر دریافت کیا کہ کیا تم حضرتؒ کی باؤلی بنوا رہے ہو اور کیا شہر اور قلعہ والے معمار اور مزدور باؤلی بنانے بھی جاتے ہیں اور رات کو وہاں کام کرتے ہیں؟ میں نے جواب دیا: باؤلی بیشک بن رہی ہے مگر یہ کام حضرتؒ نے دوسرے پانچ آدمیوں کے سپرد کیا ہے، میرا تعلق اس سے کچھ نہیں ہے، بیشک میں نے حضرتؒ سے درخواست کی تھی کہ مجھے بھی اس کام میں شرکت کی سعادت مرحمت ہو مگر حضرتؒ نے مجھے اجازت نہیں دی اور نہ شہر اور قلعہ بنانے والا کوئی معمار یا مزدور وہاں جاتا ہے۔ ولی عہد نے اپنے باپ کو میرے بیان کے موافق جواب بھیج دیا۔

ذی الحجہ ۷۲۴ھ میں حضرتؒ کچھ علیل ہو گئے۔ حضرتؒ کی عمر نوے برس کے قریب ہو چکی ہے اور وہ ہمیشہ روزہ رکھنے کی وجہ سے پہلے ہی کمزور تھے لیکن اس بیماری نے ان کو بہت ناتواں کر دیا ہے۔ میں روزانہ پابندی سے، شام کے وقت حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور حضرتؒ کی بیماری اور کمزوری کو بڑھتا دیکھ کر میرا دل بیٹھا جاتا تھا۔

بادشاہ کا تیسرا حکم

ولی عہد کے نام اس کے خط کے جواب میں بنگالے سے بادشاہ کا تیسرا حکم آیا کہ جو معمار اور مزدور ہمارے شہر اور قلعے کی تعمیر میں شریک نہیں ہیں اور شیخ نظام الدین بدایونیؒ کی باؤلی بناتے ہیں ان کو حکم دیا جائے کہ وہ یہ باؤلی نہ بنائیں اور سارے شہر کے تاجروں کو حکم دیا جائے کہ کوئی شخص شیخ نظام الدین بدایونیؒ کے مریدوں کو تیل نہ دے تاکہ رات کے وقت روشنی کر کے باؤلی نہ بنائی جا سکے اور شیخ نظام الدین بدایونیؒ کو حکم دو کہ "میں بنگالے سے روانہ ہو گیا ہوں، میرے دہلی پہنچنے سے پہلے وہ دہلی سے کہیں چلے جائیں"۔ نتیجتاً ولی عہد نے سلطان کے حکم کے بموجب معماروں اور مزدوروں کو باؤلی کی تعمیر سے روک دیا اور تاجروں کو حکم دیا کہ کوئی شخص حضرتؒ کے مریدوں کو روشنی کے لئے تیل نہ دے اور حضرتؒ کے پاس بھی حکم بھیجا کہ بادشاہ دہلی آنے والا ہے اس لئے حضرتؒ دہلی سے کہیں چلے جائیں۔ حضرتؒ نے پھر وہی جواب دیا:

"ہنوز دلی دور است" (ابھی دلی دور ہے)

شہر کے معمار اور مزدور حضرتؒ کی باؤلی کے کام سے رک گئے اور دوکانداروں نے تیل کی فراہمی روک دی۔ حضرتؒ نے اپنے خلفا اور مریدوں کو حکم دیا کہ وہ باؤلی بنانے کا کام رات دن جاری رکھیں اور باؤلی میں جو پانی ہے اس کو تیل کی جگہ استعمال کریں۔ حضرتؒ کے اس حکم کی تعمیل میں مولانا نصیر الدین محمودؒ نے تیل کی جگہ پانی سے چراغ روشن کئے، اسی دن اور نسبت سے نصیر الدین محمود "چراغ دہلی" کہلائے۔

بادشاہ کی آمد

آخر بادشاہ دہلی کے قریب پہنچ گیا اور ولی عہد نے شہر تغلق آباد اور نئے قلعے کے آراستہ کرنے کا حکم دیا اور اس کے ساتھ ہی مجھے یہ حکم دیا گیا کہ میں شہر کے باہر تین کوس کے فاصلے پر موضع افغان پور میں ایک نیا چوبی محل بادشاہ کے ٹھہرنے کے لئے بناؤں تا کہ بادشاہ دہلی کے قریب پہنچے تو پہلے اس نئے مکان میں میری طرف سے دعوت کھائے اور نذریں قبول کرے اس کے بعد دہلی شہر میں داخل ہو اور دوسرے امرا کی دعوتیں اور نذریں قبول کرے۔

میں نے لکڑی کا یہ محل تین دن میں تیار کرا دیا اور جب ولی عہد نے آ کر اس کو دیکھا تو بہت خوش ہوا کیونکہ میں نے اس کی آرائش بہت اچھی کی تھی اور تین دن میں اتنا بڑا محل بنوا دیا تھا۔ ربیع الاوّل ۷۲۵ھ کے شروع کا ذکر ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق بنگالے کے سفر سے دہلی کے قریب افغان پور پہنچا اور اپنے ولی عہد کے بنوائے ہوئے اس نئے محل کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ ولی عہد نے فوراً کھانا منگوانے کا حکم دیا اور بادشاہ سے اس کی عدم موجودگی کے زمانے کے حالات، جو دہلی میں پیش آئے تھے عرض کئے۔ کھانے میں بادشاہ کے وہ بڑے بڑے امرا بھی تھے جو بادشاہ کو ولی عہد کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے اور بادشاہ کا چھوٹا بیٹا محمود بھی تھا جس کو بادشاہ اپنا ولی عہد بنانا چاہتا تھا اور حضرت شیخ رکن الدین ابو الفتح ملتانیؒ بھی دستر خوان پر تھے۔ کھانے کے بعد ولی عہد نے مجھے بادشاہ کے سامنے پیش کیا کہ یہی وہ نومسلم ہے جو دیوگیر کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور شیخ نظام الدین بدایوانیؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا ہے اور میں نے اس کو "میر عمارت" کا عہدہ دیا ہے جس کو اس نے

سلطان کی عدم موجودگی میں بہت عمدگی سے انجام دیا ہے۔ یہ عمارت کا فن خوب جانتا ہے چنانچہ یہ چوبی محل بھی اسی نے تین دن میں تیار کر لیا ہے۔

بادشاہ نے یہ سن کر مجھے دیکھا اور کہا: بے شک یہ ہشیار آدمی ہے اور اس نے یہ مکان بہت اچھا بنایا ہے مگر یہ شیخ نظام الدین بدایونیؒ کا مرید ہے اور میں نے تم کو حکم بھیجا تھا کہ شیخ کو بھی دہلی سے نکال دو اس کے اس مرید کو بھی نوکری سے علیحدہ کر دو۔ تم نے اس کی تعمیل کیوں نہیں کی؟ ولی عہد نے بادشاہ کو اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور شیخ رکن الدین ملتانیؒ سے کہا: عصر کی نماز کا وقت قریب ہے مخدومؒ باہر چل کر نماز پڑھ لیں۔ میں یہاں بادشاہ کی خدمت میں نذر کے ہاتھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سنتے ہی شیخ رکن الدینؒ بادشاہ کے پاس سے اٹھ کر باہر چلے گئے اور میں بھی ولی عہد کے ساتھ باہر آیا اور ولی عہد نے نذر کے ہاتھی منگائے۔ چونکہ مکان نیا تھا اور اس میں فرش بھی لکڑی کا تھا جونہی کئی ہاتھی مکان کے اندر آئے فرش دبا اور چوبی محل یکا یک گر پڑا اور بادشاہ اور اس کا بیٹا اور ولی عہد کے سب مخالف امیر اس محل کے نیچے دب گئے۔ ایک ہاتھی بھی دب گیا۔ ہم سب باہر کھڑے تھے۔ ولی عہد نے چیخنا شروع کیا: جلدی مزدوروں کو بلاؤ اور رسیاں منگاؤ اور ملبہ ہٹاؤ۔

شیخ رکن الدین ملتانیؒ نے محل گرنے کی آواز سنی تو وہ بھی نماز پڑھے بغیر دوڑے ہوئے وہاں آئے۔ ولی عہد چیختا رہا اور ہم سب بھی چیختے رہے مگر مزدور وہاں قریب نہ تھے۔ وہ اتنی دیر میں آئے کہ جب انہوں نے ملبہ ہٹایا تو بادشاہ اور اس کا بیٹا محمود اور سب امیر مر چکے تھے۔ راتوں رات بادشاہ اور اس کے بیٹے محمود کو اس مقبرے میں دفن کیا گیا جو اس نے اپنے قلعے کے قریب خود اپنے لئے بنوا لیا تھا۔

خواجہ سید محمد امام کے مطابق جب سلطان غیاث الدین تغلق کے مرنے کی اطلاع حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو دی گئی تو حضرتؒ چادر اوڑھے ہوئے پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے اور ان کے قریب قاضی سید محی الدین کاشانیؒ اور خواجہ سید رفیع الدین ہارون اور مولانا وحید الدین پائیلی اور مولانا اخی سراج بھی حاضر تھے اور میں بھی پلنگ کے پائیں بیٹھا تھا۔ خواجہ مبشر نے حاضر ہو کر عرض کی کہ ابھی مشہور ہوا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق مکان کے نیچے دب کر مر گیا۔ حضرتؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ

'اللہ تعالیٰ کی مشیت انسانی ارادوں پر غالب رہتی ہے'۔ بادشاہ بہت اچھا آدمی تھا۔ اس کے دل میں شریعت کا ادب تھا اور وہ رعایا کی آسائش کا ہمیشہ خیال رکھتا تھا۔ خواجہ بشر نے کہا: شیخ زادے فرجام نے اس کے ہاں رسوخ حاصل کیا تھا اور وہ بادشاہ کے سامنے مردانِ خدا کی غیبت کیا کرتا تھا۔ حضرتؒ نے فرمایا: تم بھی غیبت کرر ہے ہو۔ تم کیا جانو کہ شیخ زادہ غیبت کرتا تھا یا نہیں۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی برائی چاہنے والوں کی برائی نہ چاہے اور ان کے پیٹھ پیچھے ان کو برا نہ کہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا:

ہر کہ مارا رنجہ دارد را حتش بسیار باد

ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد (۳۳)

"واقعہ افغان پور" کا تذکرہ قاسم فرشتہ نے اپنی کتاب "تاریخ فرشتہ" میں اور عجائب الاسفار میں ابن بطوطہ نے شیخ رکن الدینؒ ملتانی کے حوالے سے کیا ہے۔ تاہم اس حوالے سے احمد ایاز خواجہ جہاں نے عینی شاہد کے طور پر جو تفصیلات فراہم کی ہیں فی الجملہ کوئی اور تذکرہ نگار اس پر اتنے بسیط انداز میں گفتگو نہیں کر سکا۔ صاحب "تاریخ فیروز شاہی" نے اس واقعہ کی تفصیل اور سلطان کی موت کی وجوہات بیان کرنے سے عمداً گریز کیا البتہ برنی نے سلطان کی موت کا مختصر الفاظ میں ذکر کرتے ہوئے "صاعقہ بلائے آسمان بر زمین نازل شد" کا جملہ لکھ کر آنے والے محققین اور مؤرخین کے لئے عمداً بحث وجرح کا دروازہ کھول دیا ہے۔ مؤرخ فرشتہ کے مطابق اس نے مصلحتاً اس واقعہ کو بالتفصیل بیان کرنے سے اعراض برتا ہے، حتیٰ کہ اس نے حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ اور محل کے معمار خواجہ جہاں احمد ایاز سمیت ان اہم شخصیات اور امرا کے نام بھی نہیں لکھے جو اس سانحہ کے موقعہ پر موجود تھے۔ برنی اگرچہ تاریخی حالات وواقعات کو بڑی شرح وبسط اور ذمہ داری کے ساتھ بیان کرتا اور معمولی سے معمولی جزئیات کو بھی نظر انداز نہیں کرتا لیکن یہاں پر اس کا یہ اختصار اور ایجاز اس کے معمول اور عادت سے ہٹ کر ہے تاہم یہ کوئی ناقابل فہم امر نہیں ہے، بلکہ یہ بہت واضح سی بات ہے کہ برنی نے اپنی تاریخ سلطان فیروز شاہ تغلق کے دور میں مکمل کی اور اسی سے منسوب کر کے اس کا نام "تاریخ فیروز شاہی" رکھا۔ فیروز شاہ تغلق، سلطان محمد تغلق کے ساتھ انتہائی محبت وعقیدت رکھتا تھا، جس

کا اظہار اس کے دورِ حکومت میں نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برنی نے محض مؤرخانہ تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے، اس واقعہ کے حوالے سے انتہائی محتاط اسلوب بیان اور طرزِ نگارش اختیار کیا ہے۔

'تاریخ فیروز شاہی'، 'سیر الاولیاء' اور 'سیر العارفین' میں ایک ہی انداز سے یہ واقعہ تحریر کیا گیا ہے:

"جب سلطان محمد تغلق نے سنا کہ سلطان (غیاث الدین) تغلق آج کل میں لکھنوتی سے تغلق آباد پہنچنے والا ہے، اس نے حکم دیا کہ تغلق آباد سے تین کوس کے فاصلے پر افغان پور کے قریب ایک چھوٹا سا خوب صورت محل تعمیر کیا جائے، جس میں اس کا باپ رات کو ٹھہرے اور صبح کو بادشاہی حشم وقدم کے ساتھ شہر میں داخل ہو۔ چنانچہ عصر کی نماز کے وقت سلطان (غیاث الدین) تغلق شاہ نئے محل میں داخل ہوا اور اس محل میں ٹھہرا۔ اس کے بیٹے سلطان محمد تغلق اور دیگر اکابر واشراف نے اس کا استقبال کیا اور پابوسی کا شرف حاصل کیا۔ شاہی دسترخوان بچھایا گیا سب نے کھانا کھایا۔ جب کھانا کھا چکے تو سب ہاتھ دھونے کے لئے باہر آئے۔ اچانک بلائے آسمانی کی بجلی زمین کے رہنے والوں پر گری اور محل کی چھت یکا یک سلطان تغلق پر گر پڑی۔ سلطان پانچ چھ آدمیوں کے ساتھ چھت کے نیچے دب گیا اور رحمتِ حق سے جا ملا۔" (۴۴)

فقیرِ وقت نے "ہنوز دلّی دور است" کہا تھا لیکن قضائے ربانی نے اس حقیقت کو سچ کر دکھایا۔ دولت آباد کی آبادکاری اور دہلی سے تمام امرا کا کوچ اس حقیقت کو بھی ثابت کر گیا کہ جس شہر کے علماء، حدیثِ رسول ﷺ پر قولِ فقیہ کو ترجیح دیں وہ شہر کیونکر آباد رہ سکتا ہے۔ نتیجتاً دہلی اجڑ گئی اور محبوبِ الٰہی کی بارگاہ کو دوام میسر رہا۔ بقولِ اقبال (بہ درگاہ حضرت محبوب الٰہی، دہلی)

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا — بڑی جناب تری' فیض عام ہے تیرا
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم — نظامِ مہر کی صورت نظام ہے تیرا
تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی — مسیح وخضر سے اونچا مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوبی — بڑی ہے شان' بڑا احترام ہے تیرا (۴۵)

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

(۱) خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ ندوۃ المصنفین دہلی، ص ۳۱۸

(۲) یحییٰ بن احمد سرہندی، تاریخ مبارک شاہی (اردو) مترجم ڈاکٹر آفتاب اصغر، مرکزی اردو بورڈ لاہور۔ صفحہ ۱۷۹

(۳) پروفیسر نثار احمد فاروقی، نقد ملفوظات، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ ۱۹۸۱ء، صفحہ ۴۱

(۴) امیر خورد، سیر الاولیاء (اردو) مترجم اعجاز الحق قدوسی، اردو سائنس بورڈ، ۱۹۹۶ء۔ ص ۴۰

حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین، مترجم محمد ایوب قادری، مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷۶ء۔ صفحہ ۳۰

(۵) خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ ندوۃ المصنفین دہلی، ص ۱۱۶

(۶) شیخ محمد اکرام، آبِ کوثر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ ۲۰۰۰ء۔ ص ۲۳۰

(۷) حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین، مترجم محمد ایوب قادری، مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷۶ء۔ صفحہ ۴۹

(۸) شیخ محمد اکرام آبِ کوثر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ ۲۰۰۰ء، ص ۲۲۴

(۹) شیخ محمد اکرام، آبِ کوثر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ ۲۰۰۰ء، ص ۲۳۱

(۱۰) امیر خورد، سیر الاولیاء اردو، مترجم اعجاز الحق قدوسی، اردو سائنس بورڈ، ۱۹۹۶ء۔ ص ۲۲۹

(۱۱) ڈاکٹر ظہور الحسن شارب، دہلی کے بائیس خواجہ، مطبوعہ ادارہ لوح و قلم لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۱۲۱

(۱۲) خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ ندوۃ المصنفین دہلی، ص ۲۷۱

(۱۳) شیخ محمد اکرام آبِ کوثر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ ۲۰۰۰ء، ص ۳۹۱

(۱۴)K.A. NIZAMI, The Life and Times of Sheikh Farid-ud-din Gung-e Shakar. Page-100

(۱۵) خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ ندوۃ المصنفین دہلی، ص ۲۷۲

(۱۶) خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ ندوۃ المصنفین دہلی، ص ۲۷۳

(۱۷) امیر خورد، سیر الاولیاء (اردو) مترجم اعجاز الحق قدوسی، اردو سائنس بورڈ، ۱۹۹۶ء۔ ص ۲۴۸

(۱۸) شیخ محمد اکرام، آبِ کوثر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ ۲۰۰۰ء، ص ۳۹۷

(۱۹) خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ ندوۃ المصنفین دہلی، ص ۳۱۵

(۲۰) حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین، مترجم محمد ایوب قادری، مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷۶ء۔ صفحہ ۱۱۹

(۲۱) خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ ندوۃ المصنفین دہلی، ص ۳۱۶

(۲۲) امیر خورد، سیر الاولیاء اردو ترجمہ اعجاز الحق قدوسی، اردو سائنس بورڈ، ۱۹۹٦ء۔ص ۸۰۵

(۲۳) خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ ندوۃ المصنفین دہلی، ص ۳۱۴

(۲۴) خواجہ حسن نظامی دہلوی، نظامی بنسری چشتی اولیا نامہ (چہل روزہ کا اردو ترجمہ) توسین، اکرم آرکیڈ، لاہور، ص ۲۷۲

(۲۵) شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۰۰ء، ص ۳۰۲

(۲٦) خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، جلد اول، احمد برادرز پرنٹرز کراچی، ۱۹۸۳۔ص ۲۳۸

(۲۷) خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ ندوۃ المصنفین دہلی، ص ۱۲۲

(۲۸) حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین، مترجم محمد ایوب قادری، مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷٦ء۔صفحہ ۱۰۳

(۲۹) شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۰۰ء، ص ۲۴۲

(۳۰) صحیح بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب التواضع۔ حدیث: ٦۵۰۲

(۳۱) صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع۔ حدیث: ٦۵۰۲

(۳۲) صحیح مسلم۔ کتاب البر۔ باب فضل الضعفاء والخاملین۔ حدیث: ٦۲۲۲

(۳۳) خواجہ حسن نظامی دہلوی، نظامی بنسری چشتی اولیا نامہ (چہل روزہ کا اردو ترجمہ) توسین، اکرم آرکیڈ، لاہور، ص ۲۹٦

(۳۴) امیر خورد، سیر الاولیاء (اردو) مترجم اعجاز الحق قدوسی، اردو سائنس بورڈ، ۱۹۹٦ء۔ص ۸۹۳

(۳۵) علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (بانگ درا) الفیصل ناشران، ص ٦٦

✿ ✿ ✿